الفاظِ طلاق سے متعلقہ اُصولوں کی تفہیم وتشریح

(گیارہویں قسط) مفتی شعیب عالم

سولہواں فائدہ

دلالتِ حال سے وقوع طلاق؟

کنایہ اگر صریح نہ ہو تو اس سے طلاق کا وقوع نیت یا دلالت پر موقوف رہتا ہے۔ مذہب حنفی اس سلسلے میں بالکل واضح ہے اور ماقبل میں تفصیل کے ساتھ اس کا بیان ہو چکا ہے، مگر خلافت عثمانیہ نے اپنی خلافت کے آخری ایام میں غیر صریح کنایہ سے طلاق کا وقوع صرف نیت کے ساتھ مشروط کر کے دلالت حال کو غیر معتبر قرار دے دیا تھا۔ زیرِ نظر سطور میں اس قانون کا جائزہ لیا جائے گا اور مقصود اس جائزے سے دلالت کی بحث کو جامع بنانا اور اس کے مختلف گوشوں کو واضح کرنا اور اہل علم کو اس پہلو سے غور وفکر کے لیے متوجہ کرنا ہے۔

مجلة الأحكام العدلية

انیسویں صدی کے وسط میں خلافت نے اہم نوعیت کے کئی قوانین نافذ کیے، جن میں ''قانون الجزاء'' اور ''قانون أصول المحاكمات الحقوقية والجزائية'' قابل ذکر ہیں۔ خلافت نے فقہ حنفی کو سرکاری حیثیت سے اختیار کیا تھا اور اس کی تنفیذ کے لیے شرعی عدالتیں قائم تھیں، جب کہ وضعی قوانین کے نفاذ کے لیے خلافت نے ایک نیا نظام ''مجالس تمیز حقوق'' کے نام سے متعارف کرایا تھا۔ ''مجالس تمیز حقوق'' شرعی عدالتوں کے ماتحت ایک عدالتی نظام تھا اور اس کے عام ارکان براہِ راست فقہ اسلامی سے واقفیت نہیں رکھتے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ جب ان ماتحت عدالتوں کے فیصلے بالائی عدالتوں میں پیش ہو کر مسترد ہو جاتے تو وضعی اور شرعی قوانین کے مابین اختلاف اور تضاد وتصادم کھل کر سامنے آجاتا اور خود ان عدالتوں کے حکام کے درمیان تناؤ اور کشیدگی کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔

تجارتی وکاروباری معاملات کے سلسلے میں بھی خلافت کو اسی نوعیت کی دشواری درپیش تھی۔ اگر

غور کیا جائے تو اس دشواری کا تعلق نظامِ عدل کی استواری اور عدم استواری سے تھا کہ اسے اس طرح منظّم نہیں کیا گیا تھا کہ ایک کل کی مختلف اکائیاں آپس میں ٹکراتی ہوئی محسوس نہ ہوں، مگر اس دشواری کے علاوہ ایک اور مشکل بھی تھی جس کا تعلق نظام عدل سے نہیں، بلکہ خود قانون کی جامعیت اور عدم جامعیت سے تھا۔ تجارت اور کاروباری معاملات کے متعلق جو قانون رائج تھا وہ تجارت اور تجارتی معاملات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ اور اس کے جملہ مسائل واحکام کا استیعاب نہیں کرتا تھا، چنانچہ بعض اوقات اس نوعیت کے مقدمات دائر ہوجاتے، جن کو نافذ الوقت قانون کے تحت فیصل کرنا ممکن نہیں ہوتا تھا۔ عدالتیں فصلِ خصومات اور رفعِ تنازعات کے سلسلے میں کسی اجنبی قانون سے بھی استفادہ کی مجاز نہ تھیں، کیونکہ سلطنت کی طرف سے اسے منظوری حاصل نہ تھی۔ ماتحت عدالتوں کے سامنے براہِ راست فقہ اسلامی سے رہنمائی حاصل کرنے کا راستہ کھلا پڑا تھا، مگر ارکانِ عدالت اس آسان ومختصر، مامون ومفید اور کھلے اور کشادہ راستے کو آمدورفت کے لیے استعمال نہیں کرسکتے تھے، کیونکہ فقہ اسلامی ان کے مزاج اور ذوق کے مطابق اس عہد کے عدالتی اور قانونی طرز واسلوب میں مدون نہ تھا اور قدیم شکل میں اس بحرناپیدکنار سے استنباط واستخراج کا ان کو ملکہ اور قدرت نہ تھی۔

اس مشکل کا ایک حل یہ تھا کہ دیوانی عدالتوں میں دائر مقدمات کو پھر سے شرعی عدالتوں میں دائر کیا جاتا، مگر اس طرح شرعی عدالتوں کے بوجھ میں ناقابل برداشت حد تک اضافہ ہوجاتا، کیوں کہ وہ پہلے سے ہی کام کے دباؤ سے جھکی چلی جارہی تھیں اور اگر شرعی عدالتیں اس اضافی بوجھ کو کسی طرح سہار جاتیں تو پھر بھی بنیادی مشکل کا ازالہ اور اصل الجھن کا خاتمہ ممکن نہ تھا، کیوں کہ اگر شرعی عدالت کا فیصلہ ماتحت عدالتی فیصلے سے برعکس آجاتا تو ایک ہی مقدمہ میں ایک ہی ملک کی دو عدالتوں کے دو متضاد فیصلے سامنے آتے، جس سے عدالتی انتشار اور عدالتی حکام کے مابین تناؤ میں مزید اضافہ ہوجاتا۔ ان وجوہات کی بنا پر اور قانون سازی کی اس خوشگوار لہر کے نتیجے میں جو اس زمانے میں چلی تھی اور کچھ تجارتی، عسکری اور سفارتی عوامل کی بنا پر سلطنت نے محسوس کیا کہ حصۂ معاملات پر بھی ایک قانونی مجموعہ مرتب کرنا انتہائی قرین مصلحت ہے، چنانچہ اعلیٰ عدلیہ، ماہرین قانون، مجلس شوریٰ کے اراکین اور ممتاز فقہاء پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا گیا، جس نے ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۶ء تک بیس سال کی سعی پیہم اور جہد مسلسل سے باقاعدہ ابواب اور دفعات پر مشتمل ایک ضابطہ بند مجموعہ تیار کرلیا، جسے ''مجلة الأحكام العدلية'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ مجلّہ اٹھارہ سو اکیاون دفعات، سولہ ابواب اور ایک جامع مقدمہ پر مشتمل ہے اور مروجہ عدالتی اسلوب میں پہلی اسلامی دستاویز ہے۔ مجلّہ کے مدونین نے ''مجلة الأحكام العدلية'' کی افادیت، اہمیت اور ضرورت کو بایں الفاظ بیان کیا ہے:

''ان وجوہ کی بنا پر شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی جاتی رہی کہ ایک کتاب قسمِ معاملاتِ

فقہیہ پر ایسی تالیف کی جائے جس میں مسائل مربوط انداز میں مرتب ہوں۔ اس سے استفادہ آسان ہو، اختلافات کا اس میں ذکر نہ ہو، مقبول ومفتیٰ بہ اقوال پر مشتمل ہو اور ہر شخص کے لیے اس کا مطالعہ سہل ہو۔ اگر ایسی کتاب تیار ہوجائے تو اس سے حکام شرعی، ارکان محاکم نظامیہ اور افسران سررشتہ ہائے انتظامی سب کو بڑا فائدہ پہنچے گا۔ اس کے مطالعے سے انہیں شرع سے یک گونہ ربط پیدا ہوجائے گا اور بقدر استطاعت دعاوی اور شرع شریف کے مابین توفیق کی ان میں قوت پیدا ہوجائے گی۔ اس طرح یہ کتاب محاکم شرعیہ میں اجرائے احکام کے لیے سند کا کام دے گی اور محاکم نظامیہ میں جن مقدمات حقوق کی سماعت ہوتی ہے، ان کے لیے کسی جدید قانون کے وضع کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔''(۱)

انیسویں صدی کے ربع اول میں خلافت کے خاتمے کے ساتھ مجلّہ کی حکمرانی کا سورج بھی غروب ہوگیا، مگر اس کی حرارت وتمازت ہے جو آج بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔ اسلامی ملکوں کویت وفلسطین خصوصاً اردن میں یہی دستاویز بعض اضافات اور مناسب اصلاحات کے ساتھ آج بھی نافذ ہے۔ مجلّہ' معاملات سے متعلق احکام اسلام پر مشتمل قانون ہے اور اس کا ماخذ فقہ حنفی کے راجح اور مفتیٰ بہ اقوال ہیں۔ جن بعض مسائل میں مجلّہ نے مذہب حنفی سے عدول کیا ہے، مجلّہ کے مدونین نے مقدمہ میں اس کے اسباب ووجوہات کا ذکر کردیا ہے۔

قرار حقوق العائلۃ

عائلی قوانین سے مجلّہ یکسر خاموش ہے اور حجر اور مرض الموت جیسے مسائل کے علاوہ اس کے کسی قانون کا تعلق پرسنل لاء (شخصی قوانین) سے جوڑنا مشکل ہے۔ خلافت کا اس پہلو سے اغماض اس مصلحت سے تھا کہ اس کے قلمرو کے طول وعرض میں مختلف مذاہب ومسالک کے پیروآباد تھے اور خلافت شخصی مسائل میں غیر مسلم رعایا کو ان کے مذہب کے مطابق آزادی دینے کی پالیسی پر کاربند تھی۔ شخصی معاملات میں عدم تقنین اور اس کے عدم نفاذ کا یہ سلسلہ ۱۹۱۷ء تک جاری رہا، یہاں تک کہ مختلف اسباب و وجوہات کی بنا پر خلافت نے ضرورت محسوس کی کہ شخصی معاملات میں بھی اپنے قلمرو میں ایک قانون کا نفاذ ہونا چاہیے، چنانچہ یکم محرم ۱۳۳۶ھ بمطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو 'قرار حقوق العائلۃ فی النکاح المدنی والطلاق: النکاح، الافتراق '' کے نام سے سلطنت نے ایک قانون نافذ کیا، جس میں مجلّہ کی طرح غالب اقوال فقہ حنفی سے لیے گئے تھے، مگر بعض مسائل میں جہاں مذہب حنفی پر عمل سے تنگی اور دشواری پیش آرہی تھی اور احوال وظروف کی عدم رعایت سے مصالح شرعیہ فوت ہوتے محسوس ہورہے تھے، وہاں دیگر مذاہب کے اقوال کو بنیاد بنا کر قانون سازی کی گئی، ان ہی مسائل میں ایک دلالت حال سے عدم وقوع طلاق کا مسئلہ بھی ہے، جو مذکورہ قانون کے دفعہ: ۱۰۹ میں درج ہے۔ مجلّہ تو قدیم زمانہ سے مطبوع ومتداول ہے، مگر پچھلے چند سالوں سے بیروت کے مطبع نے مجلّہ کے ساتھ مذکورہ عائلی قانون بھی

www.banuri.edu.pk

طبع کرنا شروع کردیا ہے۔اس قانون کی تمہید اور مقدمے میں تفصیل سے ان اسباب ومحرکات پر روشنی ڈالی گئی ہے، جن کی بنا پر خلافت نے عائلی قوانین کے نفاذ کی ضرورت محسوس کی، قانون اور فلسفہ قانون کے بہت اہم نکات بھی متذکرہ مقدمے میں زیر بحث آگئے ہیں۔دلالت حال سے عدم وقوع طلاق کے بارے میں قانون ساز مجلس اپنے خیالات کا بایں الفاظ اظہار کرتی ہے:

’’الألفاظ الکنائیة المستعملة فی الطلاق: إیقاع الطلاق بالألفاظ الکنائیة صحیح عند أهل جمیع المذاهب، إنما إذا کانت هذه الألفاظ غیر معروفة فوقوع الطلاق بها علی المذهب المختار یتوقف علی نیة الزوج أو علی دلالة الحال۔فالزوج وإن لم یکن له حق إیقاع الطلاق بلفظ کنائی عمدا نظرا لأهلیته للطلاق، غیر أنه إذا کان لاینوی الطلاق، فاستنباط معنی من قوله غیر مقصود منه استنادا علی دلالة الحال، والقول بوقوع الطلاق مخالف للقاعدة القائلة بوجوب العنایة بصیانة النکاح ووقایة حیاة العائلة من الخلل ۔وقوع الطلاق بالألفاظ الکنائیة عند الإمام الشافعی رحمه اللّٰه یتوقف علی النیة مطلقا، وفی الحقیقة أن الطلاق یقع بلفظ کنائی إذا نوی الزوج سواء وجدت دلالة أولم توجد، والقول بوقوع الطلاق باستنباط معنی غیر مقصود من قول الزوج، ولا نوی الطلاق به، لم یر موافقا للمصلحة، ولذا نظمت المادة ۱۰۹ علی القول الإمام المشار إلیه۔‘‘(۲)

ترجمہ:...’’کنایہ الفاظ جو طلاق کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں: تمام مذاہب میں کنایہ الفاظ سے طلاق دینا صحیح ہے، لیکن جب یہ الفاظ متعارف نہ ہوں تو مختار مذہب کے مطابق ان سے طلاق کا وقوع نیت یا دلالتِ حال پر موقوف رہتا ہے۔اگرچہ اس پہلو سے شوہر کو کنایہ لفظ سے جان بوجھ کر طلاق دینے کا حق نہیں ہے کہ وہ لفظ طلاق سے طلاق دینے کی اہلیت رکھتا ہے، مگر جب اس کی نیت طلاق کی نہ ہو تو اس کے الفاظ سے دلالتِ حال کی بنا پر ایک ایسا معنی برآمد کرنا جو اس کا مقصد نہ ہو اور اس کی بنا پر وقوع طلاق کا حکم صادر کرنا اس عام اصول کے خلاف ہے جو نکاح کے تحفظ اور عائلی زندگی کو متاثر ہونے سے بچانے کی تاکید کرتا ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کنایہ الفاظ سے طلاق کا وقوع بہر صورت نیت پر موقوف ہے۔حقیقت یہ ہے کہ جب شوہر کی نیت ہو تو کنایہ لفظ سے طلاق ہوجاتی ہے چاہے دلالت حال ہو یا نہ ہو، لیکن شوہر کے قول سے ایک ایسا معنی اخذ کرکے طلاق کا حکم صادر کرنا جو معنی شوہر کا مقصود نہ ہو اور جس سے اس نے طلاق کا ارادہ بھی نہ کیا ہو، خلاف مصلحت معلوم ہوتا ہے، اس لیے دفعہ: ۱۰۹ کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی اساس پر مدون کیا گیا ہے۔

دفعہ: ۱۰۹ کی تمہید ملاحظہ فرمانے کے بعد اب اصل دفعہ ملاحظہ کیجیے:

www.banuri.edu.pk

’’(مادة: ۱۰۹) یقع الطلاق بالألفاظ الصریحة والألفاظ الکنائیة المتعارفة بحکم الصریحة. أما وقوع الطلاق بالألفاظ الکنائیة غیر المتعارفة، فمتوقف علی نیة الزوج۔ إذا اختلف الطرفان فی نیة الزوج للطلاق یصدق الزوج بیمینه۔‘‘(۳)

ترجمہ:...’’صریح الفاظ سے اور ان کنایہ الفاظ سے جن سے طلاق دینا متعارف ہے اور وہ صریح کے حکم میں ہیں، ان سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ جن کنایہ الفاظ سے طلاق دینے کا عرف نہیں ہے ان سے طلاق کا وقوع شوہر کی نیت پر موقوف ہے۔ جب زوجین کا اختلاف ہوجائے کہ (کنایہ غیر متعارفہ کے استعمال سے) شوہر کی نیت طلاق کی تھی یا نہیں تو شوہر کے قول کا حلف کے ساتھ اعتبار کیا جائے گا۔‘‘

’’متعارف کنایات‘‘ سے وہی الفاظ مراد ہیں جن کو گزشتہ فوائد میں ملحق بالصریح سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی وہ الفاظ جو اپنی اصل وضع کے اعتبار سے کنایہ ہیں، مگر اس کثرت سے طلاق کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں کہ اب صریح کے درجے میں آگئے ہیں اور وقوعِ طلاق کے لیے نیت کی احتیاج نہیں رکھتے ہیں۔

مذہب حنفی میں طلاق کا وقوع صریح یا نیت یا دلالت سے ہوتا ہے، جب کہ دفعہ ہذا طلاق کے وقوع کو صریح یا نیت میں منحصر کرتی ہے۔ اگرچہ دفعہ بالا دلالت حال کے غیر معتبر ہونے کی تصریح نہیں کرتی، مگر وقوع طلاق کو صرف صریح یا نیت میں منحصر کرنے کا لازمی نتیجہ دلالت کے خروج کی صورت میں نکلتا ہے۔ طلاق کے مباحث میں صریح سے مراد وہ لفظ ہوتا ہے جو کثرت سے طلاق کے معنی میں استعمال ہوتا ہو اور کثرت استعمال کا معیار عرف ہے، اس لیے اس دفعہ کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ طلاق کا وقوع عرف یا نیت سے ہوگا۔

تائیدی دلائل

دفعہ بالا کی تمہید میں مقنّنہ نے خود ہی وضاحت کردی ہے کہ متذکرہ دفعہ کی بنیاد مذہب شافعیؒ پر رکھی گئی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں تنہا نہیں، بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی ان کے موافق ہے۔ حنابلہ اس مسئلے میں حنفیہ کے ہم خیال ہیں، مگر شوافع اور مالکیہ کے متفق ہونے سے ائمہ اربعہ کے درمیان آراء کا تناسب برابر ہوجاتا ہے، اس کے ساتھ حنفی اصول افتا کی یہ شرط بھی پوری ہوجاتی ہے کہ مذاہب میں سے پہلے مذہب مالکی پھر شافعی اور پھر حنبلی کو بالترتیب اختیار کیا جائے گا۔

مذہب حنفی سے خروج کے وقت اور کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرتے وقت ترتیب کیا ہوگی؟ یہ سوچ بعد کے مرحلے کی ہے، اس ترتیب وانتخاب سے پہلے نفس خروج کو شرعی جواز فراہم کرنا ضروری ہے۔ شرعی جواز مہیا کرنے کے لیے سب سے پہلے اکابر اہل فتویٰ کا یہ اطمینان ضروری ہوگا کہ آیا واقعی خروج عن المذہب کی شرائط پوری ہیں؟ اور مذہب حنفی میں دشواری اور کسی دیگر مذہب میں سہولت ہے؟ اور عوام الناس کے حالات بھی سہولت کے مقتضی ہیں؟ اور مذہب حنفی پر عمل سے کوئی قابل اعتبار مصلحت

فوت ہورہی ہے یا خاطرخواہ مفسدہ لازم آرہا ہے؟

آج کے حالات میں اس قسم کے سوالات موزوں ہو یا غیرموزوں، اپنے اندر معقولیت رکھتے ہوں یا سراسر غیرمعقول ہوں، مگر تین براعظموں پر پھیلی خلافت نے اپنے زمانۂ اقتدار میں ان سوالوں کو اہمیت دی ہے اور سب سوالات کا مثبت جواب دیا ہے۔ ایک واقعی مسئلہ ہونے کی حیثیت سے خلافت نے نہ صرف اس کا ادراک کیا، بلکہ عملی قدم اٹھاتے ہوئے قانون سازی بھی کرڈالی، اب حل طلب سوال ہمارے سامنے یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس باعث اور محرک کی شدت واہمیت میں اضافہ ہوا ہے یا مقتضیات ختم اور ضرورت رفع ہوگئی ہے؟

اسلامی ممالک میں سے مصر اور سوڈان وغیرہ نے بھی اس مسئلے میں خلافت کی تقلید کی ہے، متحدہ عرب امارات، شام اور اردن کا قانون بھی اس نہج پر ہے کہ کنایات میں دلالتِ حال کا اعتبار نہیں۔

شیخ علی الخفیف اپنی کتاب ’’فرق الزواج فی المذاهب الإسلامية‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’وذهب المالكية والشافعية: إلى أن نية الطلاق شرط في وقوع الطلاق بالكنايات، ولاعبرة بدلالة الحال عندهم، إذ إن المطلق مختار في إرادة غير الطلاق منها، وقيام القرينة لا ينفي اختياره في ذلك ۔وعليه العمل الآن بالجمهورية العربية المتحدة، بمقتضى المادة رقم: ۴ من القانون رقم: ۲۵ لسنة ۱۹۲۹ء ونصها: ’’كنايات الطلاق، وهي مايحتمل الطلاق وغيره، لا يقع بها الطلاق إلا بالنية، وعلى هذا لو ادعى الناطق بأي لفظ من ألفاظ الكنايات أنه لم ينو به الطلاق، لم يقع به طلاق، مهما كانت الحال. وكذلك جرى العمل في المحاكم السودانية، منذ سنة ۱۹۳۵ء بناء على المنشور الشرعي رقم: ۴۱۔‘‘(۴)

اردن کا قانون ملاحظہ کیجیے:

’’يقع الطلاق بالألفاظ الصريحة دون الحاجة إلى النية، وبالألفاظ الكنائية، وهي التي تحتمل معنى الطلاق وغيره بالنية۔‘‘(۵)

اہل زمانہ کے حالات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت عثمانیہ نے اور اس کی متابعت میں برادر اسلامی ممالک نے مسلم معاشرے کی بروقت اور درست تشخیص کی ہے۔ غور کیجیے اور غور کرتے وقت دین دار اقلیت کو نہیں، بلکہ اس اکثریت کو پیش نظر رکھیں جن کا دین کے ساتھ محض رسمی تعلق ہے کہ کتنے لوگ ہیں جو ’’جا، چل، نکل، اٹھ، کھڑی ہو وغیرہ کو طلاق کے الفاظ سمجھتے ہیں۔ لوگوں کی اکثریت صرف لفظ طلاق اور اس کے مشتقات کو اور گنتی کے چند اور الفاظ کو، جن کو سلطنت نے متعارف کنایات سے تعبیر کیا ہے، طلاق کے الفاظ سمجھتی ہے۔ اب اگر شوہر کوئی کنایہ لفظ استعمال کرے اور وہ اسے طلاق کا لفظ نہ سمجھتا ہو، مگر اس وجہ سے کہ وہ لفظ غصہ یا مذاکرہ کے وقت بولا گیا ہے، اس سے وقوع طلاق کا حکم دیا جائے تو وہی قباحت لازم آئے

گی کہ شوہر کے الفاظ سے ایک ایسا معنی کشید کیا گیا ہے جس کا خود شوہر نے ارادہ نہیں کیا ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے معاشرے میں طلاق کے مسائل میں خصوصاً طلاق کے وقوع اور عدم وقوع کے بارے میں عدالتوں سے رجوع کا رجحان بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ لوگ مفتیان حضرات سے رجوع کرتے ہیں اور مفتی کا اصل منصب دیانت پر فتوی ہے۔ دلالت حال پر فتوی اپنے اصل کے لحاظ سے مفتی کا نہیں بلکہ قاضی کا منصب ہے۔ اس لیے اگر دلالتِ حال کی بنا پر طلاق کے وقوع کو قاضی کا منصب قرار دیا جائے، جیسا کہ حقیقت میں بھی اسی کا منصب ہے اور مفتی کو دیانت پر فتوی کا پابند بنا دیا جائے تو اہل افتا اس سے کسی ایسے شرعی حق سے محروم نہیں ہوتے جو شریعت نے انہیں بخشا ہو۔

طلاق کے الفاظ میں سے کنایات اور کنایات میں وہ کنایہ الفاظ جو صریح نہیں ہیں، ان کا فہم اور تطبیق خود علما وفضلا کے لیے بھی نہ صرف مشکل بلکہ بہت مشکل ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے، لیکن بہر حال حقیقت ہے اور اسے تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ خلافت کے بنائے ہوئے قانون میں اہل علم کو بڑی سہولت ہے، کیوں کہ اس قانون کی رو سے کنایات اور احوال کی تقسیم کی ضرورت نہیں رہے گی اور طلاق کا وقوع صرف صریح یا نیت سے ہوگا اور اس کا عملی نتیجہ ہمارے معاشرے میں اس طرح ظاہر ہوگا کہ کنایہ الفاظ سے طلاق کا وقوع لفظ حرام، آزاد اور چھوڑ دیا وغیرہ تک محدود ہو جائے گا اور جو غیر صریح کنایہ ہیں ان میں شوہر کی نیت لازم ہوگی۔

قانون سازی جیسے سنجیدہ اور خالص علمی بحث میں اس جیسی نکتہ طرازی اور دقیقہ سنجی کو شاید ظرافت طبع اور لطافت حس پر محمول کر کے نظر انداز کر دیا جائے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مشایخ نے حیض وغیرہ کے مسائل میں بعض اقوال کو اس وجہ سے بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے کہ ان کے فہم میں سہولت اور ضبط میں آسانی ہے اور اس سے زیادہ سچی حقیقت یہ ہے کہ سہولت کے لیے وجوہِ ترجیح تلاش کرنا ہی ضروری نہیں ہے، کیوں کہ سہولت خود وجہ ترجیح ہے۔

تردیدی دلائل

یہاں تک سلطنت عثمانیہ کے بنائے ہوئے ایک ایسے قانون کا ذکر تھا جس میں دلالت حال کو غیر معتبر قرار دیا گیا تھا اور اس کی تائید میں محض رائے کے درجے میں چند طالب علمانہ گزارشات بھی کی گئیں۔ اب ہم مسئلے کا دوسرے پہلو سے جائزہ لیتے ہیں، کیوں کہ مقصود فیصلہ نہیں، بلکہ مسئلے کا ہر پہلو سے جائزہ ہے۔

کنایہ اگر صریح نہ ہو تو اس سے طلاق کا وقوع نیت یا دلالت پر موقوف رہتا ہے۔ یہی مذہب حنفی ہے، اسی پر فتوی ہے اور اس پر تمام حنفی فقہاء کا اتفاق ہے اور متون وشروح اور فتاوی وحواشی سب میں اس کی صراحت ہے۔ دلالت حال کا اعتبار نہ کرنے سے مذہب حنفی کی صریح مخالفت لازم آئے گی اور اس مخالفت کا عملی نتیجہ یہ نکلے گا کہ طلاق کا وقوع صرف صریح اور نیت میں منحصر ہو جائے گا اور دلالت کی بحث اور اس کے تحت فقہاء کی نکتہ سنجیاں اور دقیقہ رسیاں سب کی سب اعتاق اور تدبیر کے مسائل کی طرح

محض کتابوں کی زینت رہ جائیں گی۔

خلافت عثمانیہ کے قانون ساز ادارے نے مذکورہ قانون کو سند جواز فراہم کرنے کے لیے یہ دلیل دی ہے کہ دلالت کا اعتبار کرنے سے شوہر کے کلام سے ایک ایسے معنی کا استنباط لازم آتا ہے جس کا شوہر نے قصد نہیں کیا ہے۔ یہ دلیل اس اطلاق کے ساتھ درست نہیں معلوم ہوتی۔ یہ تو درست ہے کہ کسی لفظ سے ایسا معنی برآمد کیا جاسکتا ہے جس کی لفظ میں گنجائش ہی نہ ہو، نہ ہی کلام کو متکلم کے خلافِ مقصود معنی پہنائے جاسکتے ہیں، مگر دلالت حال میں لفظ سے متکلم کی منشا کے خلاف معنی مراد لیا جاتا ہے، ایسا ہرگز تسلیم نہیں، کیوں دلالت کے مسئلے میں لفظ کے اندر معنی کی گنجائش ہوتی ہے، البتہ وہ معنی شوہر کا مقصود ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور دلالت کی صورت میں قرینہ اس بات کی کافی دلیل ہوتا ہے کہ شوہر کی مراد طلاق ہے۔ کنایہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ شوہر خاص ماحول میں خاص طرح کے الفاظ استعمال نہ کرے، بصورتِ دیگر شریعت طلاق کا قیاس کرنے میں حق بجانب ہوگی۔ اس تنبیہ کے بعد جب شوہر ایک خاص قسم کے ماحول میں ایک ذومعنی لفظ استعمال کرتا ہے تو طلاق اور غیر طلاق کا مساوی قیاس پیدا ہوجاتا ہے، مگر قرینہ کی موجودگی سے ماحول شوہر کے خلاف بن جاتا ہے اور یہ قیاس غلبے کے ساتھ ابھر جاتا ہے کہ شوہر نے طلاق ہی کی نیت سے کنایہ کا استعمال کیا ہے۔ اس لیے یہ بالکل معقول ہے کہ جس طرح شوہر کے اظہار و بیان سے اس کی نیت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح شواہد و آثار اور قرائن وعلامات سے بھی اس کی نیت اخذ کی جاسکتی ہے۔ ظاہری نگاہ میں یہ اصول کچھ بھیانک اور خوفناک معلوم ہوتا ہے کہ دلالت حال سے بھی نیت برآمد کی جاسکتی ہے، مگر فقہاء نے اس اصول کی اتنی سخت تعبیر کی ہے کہ عملی طور پر کنایات سے طلاق کا وقوع بہت مشکل ہوجاتا ہے۔

مذکورہ قانون کے جواز پر مقنّنہ نے دوسری دلیل یہ دی ہے کہ شوہر کے قصد کے برخلاف طلاق کے وقوع سے عائلی زندگی سخت متاثر ہوتی ہے اور خاندانی نظام برباد ہوکر رہ جاتا ہے، مگر شریعت اس کے قصد کے برخلاف طلاق کے وقوع کا حکم نہیں کرتی، بلکہ صرف اس کے قصد کو اس پر لازم کردیتی ہے۔

ایک اور پہلو سے دیکھا جائے تو دلالت کو نیت کے قائم مقام قرار دینے میں بڑی حکمت پوشیدہ نظر آتی ہے۔ کنایہ الفاظ کی فہرست پر ایک نگاہ ڈال لی جائے تو ہر لفظ زہر میں بجھا ہوا تیر محسوس ہوتا ہے، بھاڑ میں جا، دفع ہوجا، جہنم میں جا، چاروں راستے کھلے ہوئے ہیں، مجھے تیری ضرورت نہیں، اس قسم کے الفاظ روح کو گھائل اور جذبات کو سخت مجروح کرتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ ناچاقی اور تلخی اور ازدواجی زندگی کی ناکامی کی صورت میں نکلتا ہے، اگر شوہر کو یہ ضمانت مل جائے کہ گول مول الفاظ سے اس وقت تک طلاق نہیں ہوگی جب تک وہ خود طلاق کی نیت کا اظہار نہیں کرے گا تو وہ اسی طرح چبھن اور کاٹ کے الفاظ استعمال کرتا رہے گا اور بیوی کے پاس سوائے گھلنے، گھٹنے اور کڑوے گھونٹ پینے کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ ایک اور پہلو سے بھی یہ مسئلہ غور وفکر چاہتا ہے۔ اگر شوہر تین مرتبہ طلاق کے صریح الفاظ استعمال کرے اور اپنی نیت تاکید کی بیان کرے تو اس کے کلام میں تاکید کی گنجائش ہوتی ہے اور از روئے دیانت اس کی نیت کا اعتبار بھی ہوتا ہے، مگر پھر بھی فتوی دیانت پر نہیں بلکہ قضا پر بھی دیا جاتا ہے، اس کی وجہ سوائے فسادِ زمانہ کے اور کوئی نہیں کہ دیانت کا پست معیار اور اہل زمانہ کے احوال مفتی کو قضا کی سرحد میں قدم رکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر شوہر کی نیت پر مدار رکھا جائے اور اسے اس بارے میں امین تصور کیا جائے تو پھر یہ اصول وسعت چاہے گا اور معاملہ صرف دلالت تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ علت کے اشتراک کی وجہ سے بہت مسائل میں شوہر کی نیت کا اعتبار کرنا ہوگا۔

دلالتِ حال کی تائید وتردید اور حمایت ومخالفت اور اس ضمن میں سلطنت عثمانیہ اور برادر اسلامی ممالک میں رائج قوانین کے تذکرے سے مقصد یہ تھا کہ ہمارے دیار میں بھی اگر دلالت کو نیت کے قائم مقام قرار دینے میں کوئی تنگی اور دشواری ہے اور اہل علم کی جماعت خلوص کے ساتھ سمجھتی ہے کہ کسی دیگر مذہب میں یسر وسہولت اور مصالح شرعیہ کا احیاء ہے تو حالات ومقتضیات کی رعایت رکھتے ہوئے کسی دوسرے مذہب کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں گفتگو کا محور اور دلائل کا موضوع صرف یہی ایک امر ہونا چاہیے کہ ہمارے ہاں دلالت حال کا اعتبار کسی مصلحت شرعی کے فوت کا باعث بن رہا ہے یا نہیں؟ حصر کے ساتھ گفتگو کو اس نقطے میں مرکوز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آج کل بعض اہل قلم ائمہ اربعہ کے درمیان بھی محاکمہ کرنے چل پڑتے ہیں اور اپنے فہم میں دلائل کی بنا پر ایک امام کے قول کو دوسرے پر ترجیح دینے لگتے ہیں، اگر یہ رسم یہاں بھی عام ہوگئی تو پھر مذہب کے بنیادی ستون بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔

حوالہ جات

۱:......مجلة الأحكام العدلية ،ص:۸۷، ط:دارابن حزم، سن ۱۴۲۴ھ۔

۲:......قرار حقوق العائلة فی النکاح المدنی والطلاق: النکاح. التفریق علی مجلة الأحكام العدلية، ص:۵۱۳، ط:دارابن حزم ۔

۳:......الكتاب الثانی فی الافتراق ۵۳۴،الطبعة الاولی ۱۴۲۴ھ دارابن حزم،بیروت۔

۴:......فرق الزواج فی المذاهب الإسلامية للعلامة الشيخ علی الخفيف، تحت عنوان الكناية فی الطلاق وحكمها: الطبعة الأولی،۱۰۳، ط:دارالفكر العربی، القاهرة ، مصر ۔

۵:......قانون الأحوال الشخصية لسنة(۲۰۱۰)الباب الرابع انحلال عقد الزواج ،الفصل الأول الطلاق ،مادة:۴۸۔

(جاری ہے)